اقبال اور فیض کی نظموں میں تغزل

میمونہ سبحانی

ABSTRACT:

Poem is known among important portions of poetry. It is necessary for poet to keep the beauty of poem with poetry's compassion and sensitivity. The subject of poem should not organize in such way that becomes harsh in listening. The arrangement of words should be made in a manner to portray its sense of beauty and compassion. There are few poets in Urdu literature who try to maintain the color of "Taghazul" in their poetry. In fact Taghazul is a term of poetry. Terms are the source of communication in different languages. The style, diction, cadence, imagination, elegancy, inflection and spontaneity in poetry are the elements which increase the beauty of ghazal. Taghazul is not a genre of poetry. In fact it came from the combination of painful emotions and desire. It is very important in taghazul to summarize the delicacy and expression of words. If we look at the history of Urdu poem, from the poets of Anjuman-e-Punjab to Halqa-Arbab-e-Zuaq there are many important names, but there are two names known as the pillar of Urdu poetry. These are "Iqbal" and "Faiz". Both poets had the status of pillar in Urdu poetry. Iqbal presented the color of taghazul in his poems beautifully. "Shikwa, Jwab-e-Shikwa, Khizar rah, Shama-o-Shair, Masjad Qurtaba and Saqi Nama are his very significant poems. Faiz didn't lost the line of taghazul he also continued this method. "Manzar, Tanhai, Raqeeb sy, Aa jao Africa, Mujh sy Pahli c Muhabat mary Mehbob na mang and Shishu ka koi Maseeha nhi" are Faiz's key poems. Iqbal was a philosopher and his poetry is vastly under this umbrella. And the poetry of Faiz consist the tension and emotions of public. Both poets belong to different eras and both

try to follow different visible perception of poetry. They became similar at one specific point that is taghazul in their poems, and this would be admired in every era.

Key Words:

Allama Iqbal, Faiz Ahmad Faiz, Taghazul, Anjuman-e-Punjab, Halqa-Arbab-e-Zuaq, Urdu Poem

اردو کلاسیکی شاعری پر نظر ڈالیں تو شاعری کا یہ دور اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب غزل اور صرف غزل کو ہی اپنے ادائے خیالات اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ سمجھا گیا۔ ادیب و شاعروں کو وقت کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی اصناف میں اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرنا پڑا۔ ان نئی اصناف میں سب سے اہم صنف ''نظم'' تھی۔ نظم کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا رہا۔ کبھی مرثیہ، قصیدہ، رباعی اور مثنوی جیسی اصناف کو نظم کا نام دیا گیا اور کبھی غزل کو الگ کر کے باقی جتنی بھی اصناف تھیں ان کو نظم کا نام دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود نظم اپنا وجود پھیلاتی چلی گئی اور نظم معریٰ، مسدس، مخمس، آزاد و پابند، سانیٹ اور نثری نظم کی صورت میں اس نے اپنے قدم جمانے شروع کر دیے۔ اردو نظم کے اہم شعرا نے نہ صرف ہیئتی اور عروضی تجربات کیے بلکہ ساتھ ساتھ اپنی نظموں میں تغزل کے حسن کو بھی قائم رکھا۔

تغزل دراصل شعری اصطلاح ہے۔ اصطلاحات زبانوں کے ابلاغ کا سرچشمہ ہوتی ہیں۔ اس لیے شاعری کا پیرایہ اظہار، اسلوبِ بیان، لب و لہجہ، خیال انگیزی، نزاکت، ترنم، بے ساختگی وہ عناصر ہیں جو غزل کے حسن کو بڑھاتے ہیں۔ تغزل کسی صنفِ سخن کا نام نہیں ہے۔ تغزل دراصل درد کے جذبات اور شوق کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر انور جمال تغزل کی تعریف اس انداز میں کرتے ہیں:

> ''تغزل اس کیفیت کا نام ہے جو کسی غزل میں لطف و اثر اور حسن و درد پیدا کرتی ہے۔''[۱]

ابو اعجاز صدیقی تغزل کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

> ''تغزل چند اوصاف کے مجموعے یا مجموعی کیفیت کا نام ہے۔ کسی صنف سخن کا نام نہیں، اس لیے اصولاً یہ ممکن ہے کہ کوئی شاعر غزل کی صنف اپنائے بغیر کسی دوسری صنف میں بھی تغزل پیدا کرے۔''[۲]

اقبال اور فیض ایسے شاعر ہیں جنھوں نے روایت سے انحراف نہیں کیا بلکہ اساتذہ سے بھی اثر قبول کر کے فارسی تراکیب اور لفظوں کے جدید مرکبات کو نئے معنی و مفہوم میں استعمال کیا۔ جب کہ فیض نے اپنی رومانوی حقیقت پسندی میں نرمی و حلاوت، نئی اشاریت و ایمائیت اور معنوی آہنگ کی سرور انگیز کیفیت کو اپنائے رکھا۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی لکھتے ہیں:

''فیض کا شعری اسلوب نہ صرف روایت کے حسین ترین اجزا سے متشکل ہوتا ہے بلکہ وہ اسے اپنے مخصوص ماحول، تہذیب، نسلی شعور اور خیر وشر کے بارے میں روایتی تصورات سے گزرتے ہوئے نئے عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں اور اس طرح فیض کے تصورِ روایت میں وہ سب کچھ آ جاتا ہے جو ان کے لیے سیاسی طور پر درست بھی ہوتا ہے۔''[۳]

حقیقت یہ ہے کہ اقبال اور فیض دونوں اردو ادب کے بڑے اہم شاعر ہیں۔ اردو شاعری میں دونوں ایک ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال ایک فلسفیانہ شاعر ہے اور امتِ مسلمہ کے حوالے سے اپنی شاعری میں زیادہ بات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کا زمانہ وہ زمانہ ہے جب مسلمان تاریکی اور پستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ زمانی حالات علامہ اقبال کی شاعری پر اثر انداز رہے۔ لیکن آپ نے نہ صرف اپنی غزلوں میں بلکہ نظموں میں بھی اس کا اظہار کیا۔

جبکہ فیض نے ایک نیم سیاسی اور نیم انقلابی فضا کے دائرے کو مدنظر رکھا، فیض خود کہا کرتے تھے؛ ''اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا'' یہ پیغام صرف ایک قوم یا امت کے لیے نہیں تھا بلکہ پوری دنیا کے لوگوں سے مخاطب ہو کر بات کرتے ہیں۔ فیض نے بھی اقبال کی طرح روایت سے انحراف نہیں کیا، بلکہ روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے سیاست اور جمالیات کے تعلق کو اپنے شعری تجربات سے واضح کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک دوسرے سے مختلف عہد ہونے کے باوجود اقبال اور فیض کی شاعری میں ایک بہت اہم پہلو ہمیں مشترک دکھائی دیتا ہے۔ وہ ان کی نظموں میں تغزل کا رنگ ہے۔ جس کو بہت خوبی سے دونوں شعرا نے برقرار رکھا۔

اقبال نے جس دور میں اپنی شاعری کا آغاز کیا، اس دور میں داغ دہلوی کی بڑی شہرت تھی۔ ان کی استادانہ لیاقت اور شاعرانہ محاسن کا پورا ہندوستان معترف تھا۔ اقبال نے بھی اپنا کلام بہ غرض اصلاح انھیں ارسال کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے داغ سے اصلاح بھی لی اور ان کا رنگ اپنانے کی کوشش بھی کی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''اردو میں اقبال کا اولین رنگ داغ سے متاثر ہونے کی وجہ سے ایک خاص انداز بیان لیے ہوئے ہے۔ مگر بعد میں اقبال کی غزل داغ سے اونچی ہو کر زندگی کی ترجمان بن گئی۔''[۴]

روایتی غزل گوئی کے رسمی مضامین میں لاکھ جدت پیدا کی جائے لیکن خیالات کی وسعت ان میں نہیں سما سکتی چنانچہ، اقبال کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ انہیں نظم گوئی کی جانب توجہ کرنی چاہیے۔ ایک ادبی مجلس میں آپ نے ''ہمالہ'' سنائی جسے بے حد پسند کیا گیا، جس کی وجہ سے اقبال نے نظموں کی طرف باقاعدہ توجہ کی۔ اقبال اپنی شاعری میں فارسی اور اردو غزل کے مروجہ الفاظ اور تراکیب استعمال کرتے ہیں مگر بیشتر حقائق کو بیان کرنے میں غزل کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اقبال کی غزلوں اور نظموں میں تغزل موجود ہے۔ اقبال نے اپنی نظم ''شکوہ'' میں اس دور کے مسلمانوں کی حالت زار اور ان کی زبوں حالی کو نہایت فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ مسلمانوں کی کیفیت ایسی ہو چکی تھی کہ ان کے حالات پر کوئی دھیان نہیں دے رہا تھا۔ اردو کا شعری سرمایہ شکوہ کے انداز سے خالی تھا۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان لکھتے ہیں:

''شاعر نے کمال بلاغت سے وہی لب ولہجہ اختیار کیا ہے جو مقتضائے حال تھا اور جس کی بتوں سے توقع کی جا سکتی تھی۔''۵

فنی اعتبار سے نظم کی خوبی یہ ہے کہ اس کا انداز بالکل غزل جیسا ہے۔ نظم کے بعض اشعار بالکل ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے غزل کے اشعار ہوں:

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں؟
فکرِ فردا نہ کروں، محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں، اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں ۶

نظم ''شمع اور شاعر'' میں اقبال نے اپنی حالتِ زبوں پر نوحہ کناں مسلمانوں کو ایک خوشگوار مستقبل کی امید دلائی ہے کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اگر مسلمان ہمت اور کوشش سے کام لیں تو ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے سے لگایا جا سکتا ہے۔ اقبال امتِ مسلمہ کے حالات پر پریشان ضرور تھے مگر مایوس ہونے کی بجائے ہمیشہ پرامید رہے:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے ، لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے !
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے! ۷

''شمع اور شاعر'' میں اقبال نے غزل کی پرانی علامتیں، ساقی، مینا، شمع، پروانہ، منزل اور صحرا وغیرہ ہی استعمال کیے ہیں مگر ان کے معانی و مفاہیم کو وسعت بخشی ہے اور نیا مفہوم بھی دیا ہے جس کی وجہ سے نظم کا حسن اور زیادہ خوبصورت ہو گیا ہے۔ ''شمع اور شاعر'' مجموعی طور پر رنگِ تغزل میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اقبال کی نظموں کی تعداد غزلوں سے کہیں زیادہ ہے۔ شاعرانہ مہارت اور کمالِ فن ان کی نظموں میں بھرپور ملتا ہے۔ اقبال نے جب انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ میں اپنی نظم شکوہ پڑھی تو وسیع پیمانے پر اس کی اشاعت ہوئی مگر کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اقبال نے اس نظم میں گستاخانہ لہجہ اپنایا ہے، چنانچہ اقبال نے اس کی تلافی جواب شکوہ لکھ کر کی:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے ؟رہرو منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جوہرِ قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں ۸

اقبال نے یہ نظم تقریباً ڈیڑھ سال بعد لکھی اور اسے بھی ایک جلسے میں پڑھا۔ اس نظم پر اقبال کو بہت داد ملی۔ جواب

شکوہ میں اسلامی تاریخ کے بعض واقعات اور جنگِ بلقان کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں، ساتھ ساتھ مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجہ بھی بتائی گئی ہے کہ کفر و الحاد کی تحریکیں پروان چڑھ رہی ہیں جس کی وجہ سے مذہب کی حقیقی روح ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اور لوگ فرائض سے جی چرانے لگے ہیں۔ اقبال کے خیال میں قومی اور اجتماعی بیداری سے ان مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس نظم میں اگرچہ شکوہ کی نسبت تغزل کے عناصر کم ہیں مگر جوش کے ساتھ دھیما پن بھی اس نظم میں تغزل کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

"اردو نظم میں رنگِ تغزل کا یہ منفرد انداز کسی اور شاعر کے ہاں نہیں ملتا۔" ۹

اس طرح اقبال کی ایک اور نظم "فاطمہ بنت عبداللہ" ہے، اس کا ایک ایک لفظ درد و خلوص میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس نظم کا موضوع قاری کے دل پر اثر ڈالتا ہے۔ بلکہ اقبال کی سحر بیانی نے اس نظم کی اہمیت کو اور زیادہ بڑھا دیا ہے۔ یوسف حسین خان لکھتے ہیں:

"شاعرانہ تصویر کشی کے بے شمار اعلیٰ نمونے اقبال کے کلام میں موجود ہیں۔" ۱۰

یہ ایسی لڑکی کی کہانی ہے جو طرابلس کے ریگستان کی دھوپ میں نمازیوں اور زخمیوں کو پانی پلاتی ہے اور اسی حالت میں جامِ شہادت نوش کرتی ہے۔

فاطمہ ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشت ِخاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی، تری قسمت میں تھی
غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی ۱۱

غزلیت کی صورت نظموں میں موجود ہے۔ شاعر نظم کے قالب میں غزلیت کے عناصر پیدا کر رہا ہے۔ الفاظ یا تراکیب، علامتیں، عبارت کا اختصار، الفاظ کی کمی کے باوجود معانی کا زیادہ ہونا، یہ چیزیں ان کو غزلیت کے دائرے میں لے آتی ہیں۔

اقبال کی ایک نظم "دعا" ہے جس میں اقبال امتِ مسلمہ کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ مسلمانوں کے دل ایمان سے روشن ہو جائیں اور وہ ہر پریشانی کا مقابلہ ڈٹ کے کر سکیں۔

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے ، پھر ذوقِ تقاضا دے ۱۲

ابتدا سے ہی اس نظم کی روانی اور تسلسل کا آغاز ہو جاتا ہے۔ تراکیب، الفاظ و حروف کی تکرار اور قوافی کے استعمال سے صوتی آہنگ نغمگی اور خوش آہنگی پیدا ہو گئی ہے۔ نفاست و نزاکت، بے ساختگی اور جذبے کے سوز و گداز نے نظم کے اندر تغزل کی صفات پیدا کر دی ہیں۔ اقبال اگرچہ قافیہ پیمائی کے شاعر نہیں تھے لیکن آپ نے اپنی نظموں

میں تغزل پیدا کرنے کے لیے قافیے کا استعمال بہت زیادہ کیا ہے۔ زیرِ بحث نظموں کے علاوہ اقبال کی دیگر نظموں میں بھی حروف کی نغمگی، سجاوٹ اور کلمات کی تکرار کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں نیز اقبال کی نظموں میں جمالیاتی تفکر کے ساتھ ساتھ رنگ وآہنگ، ترنم اور نغمہ وصوت کی لذت نوائی بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ سمیع اللہ لکھتے ہیں:

''بلا شبہ اقبال اپنے کلام اور شعری موسیقی کی مدد سے اپنی مایوسی، مردہ دل، خود کو دوسروں کے تسلط میں دینے والی قوم کو غاصب قوتوں کا مقابلہ کرنے اور آزادی کے حصول کا جذبہ ابھارنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنی قوم میں استقامت کی روح زندگی، جذبہ وحرکت پیدا کردے۔[۱۳]

فیض احمد فیض نے اپنی نظموں میں سماجی ذمہ داری اور معاشرے سے وابستگی کا احساس رکھنے والے ایک خاموش انقلابی کا کردار ادا کیا ہے۔ غمِ عشق اور غمِ روزگار، دونوں ان کی شخصیت کا حصہ تھے۔ اس سلسلے میں ان کی نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ'' دیکھی جا سکتی ہے:

مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا ہے کہ تُو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے ؟
تُو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے
یوں نہ تھا، میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا [۱۴]

یہ نظم نغمگی اور ترنم کا تاثر پیدا کرتی ہے۔ فیض کی نظموں میں تغزل کی خوبی اس نظم میں واضح نظر آتی ہے۔ فیض کی نظموں میں غزلوں کا سا سرور اور کیفیت ایک جیتے جاگتے وجود کی مکمل تصویر اور زندگی ہے۔ زندگی کی کڑواہٹوں میں سچائی کی تلاش ہے، ان کا آہنگ ان کی موسیقیت ہے۔ فیض نے اردو نظم کو جو نغمگی اور آہنگ عطا کیا، اس نے انہیں ایک منفرد آواز بنا دیا۔ ڈاکٹر ابن فرید لکھتے ہیں:

''فیض کی ابتدائی نظموں میں ہمیں مصرعے یا اشعار زیادہ تر اس نوعیت کے نظر آتے ہیں کہ شعر کے مکمل ہوتے ہی جملہ بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ اس طرح مصرعے اور تمام اشعار اپنی جگہ پر منفرد اکائی بن جاتے ہیں۔ ایسے تمام اشعار قائم بالذات ہوتے ہیں اور ان میں باہمی ربط صرف اسی حد تک ہوتا ہے کہ ان کے مفاہیم قریب قریب یکساں ہوتے ہیں اور آپس میں بحر و وزن کے لحاظ سے یکساں ہوتے ہیں ورنہ اگر غزل کے اشعار کی طرح ان اشعار کو نظم سے الگ کر لیا

جائے تو مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔۱۵؎

ترنم اور نغمگی کا احساس لیے فیض کی نظم ''تنہائی'' ایک ناقابلِ فراموش تجربے کے طور پر یاد کی جاتی ہے۔ اس نظم میں گہرائی بھی ہے اور انفرادی شان بھی۔ جہاں انتظار کی انتہا ہوتی ہے وہاں نظم کی ابتدا ہوتی ہے:

پھر کوئی آیا دلِ زار! نہیں کوئی نہیں
راہرو ہو گا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہ گزار
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں، بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا ۱۶؎

فیض نے جن تراکیب کا استعمال کیا وہ شاعری کے لیے بہت مانوس تھیں۔ معنی کا انوکھا اور اچھوتا پن فیض کی نظموں کو انفرادیت بخشتا ہے۔ زبان، تکنیک، اسلوب اور ہیئت کے اعتبار سے یہ ساری نظمیں غزلوں کے قریب ہیں۔ فیض نے اردو نظم کو نئی وسعت اور مربوط آہنگ سے آشنا کیا۔ ڈاکٹر نصرت چودھری رقم طراز ہیں:

''فیض کی نظم پابند ہو یا آزاد یا معریٰ، سب میں نغمگی، موسیقی اور بلا کا ربط نظر آتا ہے۔ یہ ربط دراصل اس کیفیت کی دین ہے جو مختلف روپ بدل بدل کر فیض کے ذہن میں ایک مکمل تصویر، ایک مکمل استعارہ بن کر ابھرتی ہے۔''۱۷؎

فیض کی شاعری میں نظمیں چاہے جتنی بلند آہنگ اور انقلابی ہوں، نعرہ نغمے کا روپ ڈھال لیتا ہے اور برہمی سرگوشی کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے خاموش احتجاج بن جاتی ہے۔ تغزل کی یہ کیفیت ''آجاؤ افریقا'' میں بھی دیکھی جا سکتی ہے جہاں اداسی کی کیفیت جوشیلے جذبات کے ساتھ نظر آتی ہے:

آ جاؤ میں نے دھول سے ماتھا اٹھا لیا
آ جاؤ میں نے چھیل دی آنکھوں سے غم کی چھال
آ جاؤ میں نے درد سے بازو چھڑا لیا
آ جاؤ، میں نے نوچ دیا بے کسی کا جال
آ جاؤ افریقا، آ جاؤ افریقا ۱۸؎

فیض کے کلام میں نغمگی کا عنصر سخت تجربات میں نرمی اور دھیما پن پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً فیض کی نظم ''رقیب سے'' دیکھیں۔ فنی اعتبار سے یہ نظم آہستہ روی اور نرمی کا تاثر لیے ہوئے ہے۔ نظم میں دو خیال پیش کیے گئے۔ پہلے حصے

میں محبوب سے عشق کا اظہار کیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں اپنے معاشرے میں بسنے والے محروم طبقے کے لوگوں سے عشق ظاہر کیا گیا ہے:

آ کہ وابستہ ہیں اس حسن کی یادیں تجھ سے
جس نے اس دل کو پری خانہ بنا رکھا تھا
جس کی الفت میں بھلا رکھی تھی دنیا ہم نے
دہر کو دہر کا افسانہ بنا رکھا تھا [۱۹]

نظم کا اگر گہرائی سے مشاہدہ کیا جائے تو ہمیں اس نظم میں محبت اور انقلاب کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ نظم میں خلوص، جذبے کی شدت اور جدتِ خیال نظم کی نمایاں خوبیوں میں سے ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز کلیانی لکھتے ہیں:

''زیرِ نظر نظم ''رقیب سے'' فیض کی ایسی نظم ہے جس میں موضوع تو نظم کا ہے لیکن نظم کے اشعار تغزل کی رنگینی کو لیے ہوئے ہیں۔'' [۲۰]

ان نظموں کے علاوہ 'ایک منظر'، 'یہاں سے شہر کو دیکھو'، 'زنداں کی ایک شام'، 'ایرانی طلبہ کے نام'، 'شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں' اور 'دو عشق' ایسی نظمیں ہیں جو تغزل کی کیفیت میں ڈوب کر فیض کے کلام میں لطف و اثر اور حسن پیدا کر دیتی ہیں۔

اقبال نے اپنے تغزل کے تجربے سے فکر کو جذبہ اور جذبے کو فکر بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعری پیکروں میں شعر و فلسفہ حسین اور متوازن دکھائی دیتا ہے۔ اقبال کی شاعری ان کی فکر کی وجہ سے اور فیض کی شاعری فکر سے زیادہ احساس کا تاثر لیے ہوئے ہے۔ تاہم مختلف عہد کی فضا میں سانس لینے والے دونوں شاعروں نے اپنے ادراک و اظہار کے قرینے ایک دوسرے سے جداگانہ رکھے لیکن الفاظ کی فصاحت، معنی کی بلاغت اور عوامی لب و لہجہ پر آ کر ایک دوسرے کے مماثل ہو گئے جس کی قدر و قیمت ہر زمانے میں تسلیم کی جائے گی۔

حوالہ جات:

۱۔ انور جمال، ڈاکٹر، ادبی اصطلاحات، اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۱۹۹۳ء، ص ۳۹

۲۔ ابو اعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص ۴۳

۳۔ فیض احمد فیض اور روایتی شعری زبان، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، مشمولہ، فیض احمد فیض کی شاعری: انتخاب مقالات، مرتبہ اشتیاق احمد، لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۱۰ء، ص ۹۱

۴۔ ممتاز منگلوری (مرتب)، طیف اقبال، لاہور: سندھ اکیڈمی، ۱۹۶۴ء، ص ۲۴۹

۵۔ یوسف حسین، ڈاکٹر، روح اقبال، لاہور: القمر انٹر پرائز، مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۱۰۹

۶۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (اردو)، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۶ء، ص ۹۰

۷۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۸۔ ایضاً، ص ۱۱۱

۹۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اقبال کی طویل نظمیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴، ص ۸۲

۱۰۔ یوسف حسین، ڈاکٹر، روح اقبال، ص ۱۰۸

۱۱۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال، ص ۱۱۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۱۶

۱۳۔ حبیب اللہ عباسی، ''اقبال لاہوری کی شعری موسیقیت'' مترجمہ سمیع اللہ، مشمولہ کیا آج اقبال کی ضرورت ہے، مرتبہ ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر طاہر تونسوی، فیصل آباد: ادارہ تصنیف و تالیف، ۲۰۱۳ء، ص ۶۲۲

۱۴۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۵ء، ص ۶۱

۱۵۔ ابن فرید، ڈاکٹر، ''فیض کی شاعری: چند فنی پہلو'' مشمولہ فیض احمد فیض: تنقیدی مطالعہ، مرتبہ ڈاکٹر طاہر تونسوی، لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۱ء، ص ۱۱۱

۱۶۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، ص ۶۳

۱۷۔ نصرت چودھری، ڈاکٹر، فیض کی شاعری: ایک مطالعہ، لاہور: نگارشات، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۶

۱۸۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، ص ۱۱۷

۱۹۔ ایضاً، ص ۶۸

۲۰۔ ممتاز کلیانی، ڈاکٹر، ''رقیب سے'' مشمولہ کفِ گل جبیں: فیض کی منتخب نظموں کا تجزیاتی مطالعہ، مرتبہ، ڈاکٹر عمران ظفر، فیصل آباد: شمع بکس، ۲۰۱۶، ص ۲۹